مطبوعات

A POLITICAL STUDY OF PAKISTAN
پاکستان کا سیاسی مطالعہ

تالیف جناب صفدر محمود صاحب۔ ناشر: شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور۔ قیمت ۲۰ روپے۔ صفحات ۳۹۵۔

پاکستان کی پچیس سالہ تاریخ کو "قوم سازی کا ایک ناکام تجربہ" کہا جا سکتا ہے۔ یہ ہماری کوتاہیوں، فروگذاشتوں کی ایک المناک داستان ہے اور ہماری ناکامیوں اور نامرادیوں کا دلفگار مرقع ہے۔ دیدہ ہائے عبرت نگاہ کے لیے پاکستان کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ اس لحاظ سے یقیناً مفید ہے کہ اس سے ہم اپنی ناکامیوں اور کوتاہیوں کا باہمی رشتہ تلاش کر سکتے ہیں جو ہمیں موجودہ حالات میں سنبھلنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس اعتبار سے جناب صفدر محمود صاحب کی محنت اور خلوص قابلِ داد ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر ہمیں خاصا فکر انگیز مواد بہم پہنچایا ہے۔ آپ ایک سنجیدہ فکر رکھنے والے نوجوان ہیں جن کے مطالعہ کا خاص موضوع ہی پاکستان کی تاریخ ہے۔ اس وقت تک آپ کے قلم سے تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں فاضل مصنّف نے تحریکِ پاکستان، اس کے پس منظر، پاکستان میں جمہوریت کے ناکام تجربہ اور آئینی بحران کا بڑی دقّتِ نظر سے جائزہ لیا ہے اور اُن عوامل کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو قومی سالمیت اور یک جہتی میں حائل ہیں۔ سیاسی پارٹیوں پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے نشیب و فراز پر بھی نظر ڈالی ہے اور آخر میں ان اسباب پر محققانہ بحث کی ہے جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر منتج ہوئے۔ غرض پوری کتاب بہت دلچسپ ہے۔ زبان شستہ اور رواں ہے اور مصنف کی سلامتی فکر پر شہادت فراہم کرتی ہے۔ البتہ چند ایسے مقامات ہیں جو نظرِ ثانی کے محتاج ہیں مثلاً پاکستان کی نظریاتی اساس کے بارے میں قائداعظم کے حوالے سے مصنّف لکھتے ہیں کہ پاکستانیوں کے لیے اسلام ہی قومیت اور حب الوطنی کی بنیاد ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ جاوید اقبال صاحب کی تصنیف کے حوالے

سے یہ فرماتے ہیں کہ قائد اعظم کے تصورِ پاکستان کے مطابق اسلامی مملکت پاکستان ایک مثالی سیکولر مملکت کے محاسن کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے (ص ۲۵)۔ یہ بات کچھ مبہم سی معلوم ہوتی ہے۔

سیاسی پارٹیوں پر بحث کے ضمن میں انھوں نے جماعت اسلامی کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ آپ نے جماعت اسلامی کے خلاف اسی پرانے الزام کو دُہرایا ہے کہ جماعت نے پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اگر اسلام کے تصورِ قومیت کو پاکستان کی اساس قرار دیا جائے تو بلا شُبہ جماعت اسلامی اس اساس کی تعمیر کرنے والی ہے۔ پھر جناب صفدر محمود صاحب کو جماعت اسلامی سے یہ بھی گلہ ہے کہ اس نے رکنیت کے لیے بہت بلند معیار قائم کر رکھا ہے (ص ۱۳۲) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جماعت کی رکنیت کے لیے اس نے انھی شرائط کو پیش نظر رکھا ہے جو شارح علیہ السلام نے ایک مسلمان کے لیے کم سے کم اوصاف قرار دیتے ہیں۔ ان چند جزوی اختلافات کے باوجود یہ کتاب بڑی معلومات افزا اور قابلِ قدر ہے خصوصاً اس کا پانچواں باب جو طویل ترین ہے، اس میں نہ صرف اُن اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے جن کی وجہ سے مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے الگ ہُوا بلکہ مغربی پاکستان میں اُبھرنے والے خطرات سے قوم کو آگاہ کیا ہے۔ فاضل مصنف نے ہمیں بتایا ہے کہ کس منصوبہ بندی کے ساتھ بمبئی سے درآمدہ لٹریچر سندھ اور بلوچستان میں تقسیم ہو رہا ہے اور روس صوبہ سرحد اور بلوچستان کے بعض قبائل سے تعلقات پیدا کر کے اُن سے کس قسم کے کام لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان ساری باتوں کا ذکر کرنے کے بعد فاضل مصنف یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ بھارت اور روس اور اسی طرح کے دوسرے استعمار پسند ممالک کی تخریبی کارروائیوں کا اگلا نشانہ اب مغربی پاکستان ہے۔

نیم تیں چند از جناب ابو طاہر صاحب۔ شائع کردہ: لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔ صفحات ۲۷۲ قیمت: آٹھ روپے۔

اردو ادب کا بیشتر حصہ سنجیدہ تخلیقات پر مشتمل ہے۔ طنز و مزاح کا حصہ اس میں بہت کم ہے۔ معدودے چند ادبا ایسے ہیں جنھوں نے ادب کی اس صنف میں قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ اس میدان میں جناب ابو طاہر صاحب کی کامیاب کاوش جو "نیم تیں چند" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، ہر لحاظ سے قابلِ ستائش ہے۔ فاضل مصنف نے ہماری معاشرتی زندگی کے تضادات اور اُلجھے ہوئے مسائل کو بڑی فنی مہارت کے ساتھ اس طرح اُبھارا ہے کہ انھیں دیکھ کر نہ تو ہمارے ماتھے پر شکن نمودار ہوتے ہیں اور نہ ہماری نبضیں

ڈوبنے لگتی ہیں بلکہ ذہن کا جمود ٹوٹتا ہے اور بیداری کی لہر پیدا ہوتی ہے۔
انداز تحریر شگفتہ اور رواں ہے اور قاری کہیں بھی طنز کی چوٹ محسوس نہیں کرتا۔ معیار طباعت و کتابت عمدہ ہے۔

حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق تالیف مولانا محمد تقی عثمانی۔ ناشر ادارہ المعارف کراچی ۱۴۔ قیمت ۵۰/۱۰ روپے۔ صفحات ۲۷۲۔ بڑا سائز۔ کتابت و طباعت آفسٹ۔

زیر تبصرہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے اور دوسرے حصے کا عنوان "حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت" ہے۔ یہ دراصل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب خلافت و ملوکیت کے اُس حصے کا تعاقب ہے جو مولانا موصوف نے باب پنجم میں "قانون کی بالاتری کا خاتمہ" کے زیر عنوان رقم فرمایا۔
خلافت و ملوکیت کا ہر منصف مزاج قاری جانتا ہے کہ مولانا مودودی نے یہ تالیف کس مقصد کے لیے لکھی تھی۔ مولانا نے اس میں صرف اُن وجوہ و اسباب کی نشاندہی کی ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے والے تھے اور تاریخ اسلامی کے صرف اُس عہد سے بحث کی ہے جس میں اس تبدیلی کا آغاز ہوا۔ اس کتاب کی تصنیف سے مولانا کا مقصد بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہ تھا۔ مگر افسوس کہ بعض حضرات نے حسن ظن سے کام نہ لیتے ہوئے مولانا کو توہین صحابہ کا مرتکب قرار دیا۔

زیر نظر کتاب میں مولانا تقی عثمانی نے مولانا مودودی کے بیان کردہ نکات کی تغلیط کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدامات کو کہیں صائب بتایا ہے، کہیں اُن کا اجتہاد قرار دیا ہے اور کہیں مباحات میں توسّع اختیار کرنے کا نام دیا ہے۔ فاضل مصنف کا جب یہ مضمون البلاغ کراچی میں شائع ہوا تو ملک کے ایک دوسرے صاحب بصیرت عالم ملک غلام علی صاحب نے جناب تقی عثمانی صاحب کی تصریحات کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ یہ ساری بحث ترجمان القرآن میں شائع ہو چکی ہے۔
گزشتہ چند سالوں میں اس موضوع پر علمی اور غیر علمی انداز میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اس پر مزید لکھنا محض تحصیل حاصل ہے۔ ان مباحث میں سارے موضوعات اور مسائل نکھر کر پوری طرح سامنے آگئے ہیں اور سمجھنے والے کے لیے اب کوئی الجھاؤ باقی نہیں رہا۔

ہم سب کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی موجب اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنے اسلاف کو سو فیصد اُس بلند معیار پر فائز پائیں جو اسلام نے زندگی کے مختلف دائروں میں پیش کیا ہے۔ خصوصاً اگر کسی صحابی کے کسی قول یا فعل کی کوئی ایسی توجیہ ہو سکے جس کی وجہ سے ذہنوں میں کوئی خلش پیدا ہو رہی ہو تو یہ توجیہ قابل ستائش ہے اور جو شخص اس میدان میں کاوش کرتا ہے وہ بڑی دینی خدمت سرانجام دیتا ہے مگر کوئی ایسی توجیہ جس سے مزید الجھن پیدا ہونے کا خطرہ ہو، اس سے حقائق کو تسلیم کر لینا بہتر ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے حضرت امیر معاویہؓ کا دفاع کیا ہے لیکن اصل سوالات اپنی جگہ پر موجود ہیں جن کا کوئی تشفی بخش جواب اس کتاب میں یا اس نوعیت کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔ اگر حضرت امیر معاویہؓ کا ذاتی طرزِ عمل اور طرزِ حکومت دونوں اس معیار کے مطابق تھے جن کی جھلک ہمیں خلفائے راشدینؓ کی سیرت و کردار اور خلافت راشدہ کے طرزِ حکومت میں دکھائی دیتی ہے تو پھر حضرت امیر معاویہؓ کے دَور کو خلافتِ راشدہ کا دَور کیوں نہیں مانا جاتا۔ اگر خلافت راشدہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ حکمرانی میں کچھ امتیاز ہے اور بلاشبہ یہ امتیاز موجود ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس تبدیلی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اس تبدیلی کے وجوہ خواہ کچھ ہی ہوں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس معاملے میں بالکل بے بس تھے۔ کیونکہ ان کے بارے میں ایک بے بس فرمانروا ہونے کو ذہن ٹھوس تاریخی حقائق کی بنا پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ان سارے مسائل کے حل کے لیے محض مقدمہ ابن خلدون کی ایک فصل کا حوالہ تو کافی نہیں۔